تصوف میں رجال الغیب کا تصور

جناب غلام قادر لون کشمیری ایم اے

صوفیہ کے اعتقاد کے مطابق زمین پر اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کا ایک گروہ ہمیشہ موجود رہتا ہے جن کے ہاتھوں میں نظام عالم کا کاروبار ہوتا ہے اور جن کے توسط سے زندگی رواں دواں ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ ان ہی صالح انسانوں کی مرضی کے تابع اور زمانہ کی گردش انھیں کے زیر فرماں ہے۔ صوفیہ کے اقوال کے مطابق دنیا ان ہی پاک بازوں کی وجہ سے قائم ہے۔ یہاں تک کہ بعض خوش عقیدہ ارباب باطن کی رائے میں موت وحیات کا انتظام بھی اسی طبقہ کے اختیار میں ہے۔ اس طبقہ میں شامل افراد چونکہ عام لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں اس لیے ان کو "رجال الغیب" "اولیائے مستور" یا "مردان غیب" کہتے ہیں۔

رجال الغیب کی اصطلاح سے یہ دھوکہ نہیں ہونا چاہیے کہ اس گروہ میں صرف مرد ہی ہوتے ہیں۔ ایک مرد غیب سے جب رجال الغیب کی تعداد کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا "چالیس نفوس" جب اس سے پوچھا گیا کہ "چالیس مرد" کیوں نہیں کہا تو اس نے جواب دیا کہ ان میں عورتیں بھی ہوسکتی ہیں[۱]۔ تاہم اس طبقہ کے لیے "رجال الغیب" کی اصطلاح ہی استعمال ہوتی ہے۔

تصوف کی بیشتر کتابوں میں رجال الغیب کا ذکر ملتا ہے یہاں تک کہ یہ نظریہ خواص کے دائرہ سے نکل کر عوام میں بھی مشہور ہو چکا ہے۔ دربار الٰہی کے ان معزز اراکین کی تعداد اور ان کے مراتب ومناصب نیز ان کے اسماء ومساکن کے سلسلہ میں خود صوفیہ کے یہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابو طالب مکی کہتے ہیں۔

> "قطب دوران تین آتا فی، سات اوتاد، چالیس اور ستر سے لے کر تین سو ابدال تک کا امام ہوتا ہے ان سب کا ایمان قطب کے ایمان کے برابر ہوتا ہے وہ (خلافت باطنی میں) ابوبکر کا بدل ہوتا ہے۔ تین آتا فی بقیہ تین خلفاء (حضرات عمر وعثمان وعلی) کے مقام پر ہوتے ہیں۔ سات اوتاد عشرہ مبشرین کے اور تین سو ابدال مہاجرین وانصار میں سے بدری صحابیوں کے قائم مقام ہوتے ہیں[۲]۔

---

[۱] شیخ محی الدین ابن عربی، فتوحات مکیہ دار الکتب العربیۃ الکبری مصر ج ۲ ص ۷ [۲] ابو طالب مکی، قوت القلوب المطبعۃ المیمنیہ بمصر ۱۳۱۰ھ ج ۲ ص ۷۸

شیخ علی ہجویری (م ۴۶۵ھ) کے نزدیک "اولیائے مکتوم چار ہزار ہیں جو نہ تو ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور نہ خود اپنے جمالِ حال ہی سے واقف ہیں وہ ہر حال میں اپنے آپ سے اور لوگوں سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ اس طبقہ کے متعلق روایات منقول ہیں اور اولیاء کا کلام موجود ہے مجھے اس کی خبر دی گئی ہے ان لوگوں میں جو اربابِ حل و عقد ہیں اور جن کو سرہنگان درگاہ حق، کہا جاتا ہے ان کی تفصیل یہ ہے تین سو اخیار، چالیس ابدال، سات ابرار، چار اوتاد، تین نقیب اور ایک قطب جسے غوث بھی کہا جاتا ہے[1]۔ مردانِ غیب کا نظریہ کافی مشہور ہونے کے باوجود مبہم ہے تاہم بعض صوفیہ و علماء نے اس کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مورخین میں خطیب بغدادی نے ایک صوفی المعروف بہ کتانی کے حوالہ سے ہمیں پہلی دفعہ اس ابہام سے نجات دلانے کی کوشش کی ہے۔ ان کے بیان کے مطابق "نقباء تین سو ہیں، نجباء ستر، ابدال چالیس، اخیار سات، عمود چار اور غوث ایک ہوتا ہے نقباء کا مسکن مغرب، نجباء کا مصر، ابدال کا شام اور اخیار زمین میں سیاحت کرتے رہتے ہیں۔ امورِ عامہ میں سے جب کوئی مسئلہ پیش آتا ہے تو نقباء دعا کرتے ہیں اس کے بعد بالترتیب عماد کے دعا کرنے کی باری ہوتی ہے اگر ان کی دعا سے مسئلہ حل ہوا تو ٹھیک ورنہ درخواست قطب کے پاس پہنچتی ہے جب وہ دعا کرتا ہے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے یعنی مسئلہ حل ہو جاتا ہے[2]۔ رجال الغیب پر سب سے زیادہ محی الدین ابن عربی نے تفصیل سے بحث کی ہے۔ یہاں ان کے طویل بیان کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔ ابن عربی کے بقول رجال الغیب میں ہر زمانے کا "ایک قطب ہوتا ہے جس کا نام عبداللہ ہوتا ہے۔ اس کے ماتحت دو وزیر ہوتے ہیں۔ یہ دونوں امام کہلاتے ہیں ایک کا نام عبدالملک اور دوسرے کا نام عبدالرب ہوتا ہے ان میں ایک کے ذمہ عالم ملکوت اور دوسرے کے ذمہ عالم الملک ہوتا ہے قطب کے انتقال کے بعد ان میں سے کوئی اس کی جگہ لیتا ہے[3]۔ ان دو کے ماتحت چار اوتاد ہوتے ہیں جن کی تعداد ہر زمانے میں معیّن ہے۔ ان میں سے ایک کے ساتھ میری ملاقات شہر فاس میں ہوئی اس کا نام ابن جعدون تھا ان کے توسط سے اللہ تعالیٰ مشرق، مغرب، جنوب اور شمال کی حفاظت کرتا ہے (جہات کا تعین خانہ کعبہ سے ہوتا ہے) ان کے القاب عبدالحی، عبدالعلیم، عبدالقادر اور عبدالمرید ہیں۔ ان کے بعد سات ابدال ہوتے ہیں جو اقالیم سبعہ کے لیے مامور ہیں ان میں اقلیم اول کا ابدال حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے قدم پر ہوتا ہے۔ دیگر اقالیم کے ابدال بالترتیب حضرت کلیم اللہؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت

---

[1] شیخ علی ہجویری، کشف المحجوب مطبوعہ سمرقند ۱۳۳۰ھ ص ۲۶۲ [2] خطیب بغدادی تاریخ بغداد طبع اول مصر ۱۳۴۹ھ / ۱۹۳۱ء ج ۳ ص ۷۵-۷۶ [3] فتوحات مکیہ ج ۲ ص ۶

یوسفؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت آدمؑ کے قدموں پر ہوتے ہیں۔ ان کے نام بھی اسماء صفات سے ماخوذ ہوتے ہیں یعنی عبدالحی، عبدالعلیم، عبدالودود، عبدالقادر (یہ چاروں نام اوتاد کے ہیں) عبدالشکور، عبدالسمیع اور عبدالبصیر۔ ہم نے مکہ میں حطیم حنابلہ کے پیچھے ان سات ابدال کو دیکھا۔ ان میں سے ایک ابدال موسیٰ السدراتی نے ہم سے اشبیلیہ میں ۵۸۶ھ میں ملاقات کی۔ ایک اور ابدال شیخ الجبال محمد بن اشرف الرندی کو بھی ہم نے دیکھا ہمارے دوست عبدالمجید بن سلمہ نے ایک ابدال معاذ بن الشرس سے ملاقات کی یہ ابدال ان میں سب سے بڑے ابدال تھے عبدالمجید نے ان کا سلام بھی مجھے پہنچایا۔ عبدالمجید نے جب ان سے پوچھا کہ یہ مقام ان کو کیسے حاصل ہوا تو انھوں نے ابوطالب مکی کی بیان کردہ چار چیزوں کا نام لیا یعنی بھوک، شب بیداری، خاموشی اور عزلت کی بدولت۔ ابدال کے بعد بارہ نقباء ہوتے ہیں ان کی تعداد بھی معین ہے یہ آسمان کے بارہ برجوں پر مامور ہوتے ہیں۔ ہر نقیب خاص برج پر مامور ہوتا ہے۔ کواکب سیارہ و ثوابت اور اجرام فلکی کی وہ حرکات ان کے مشاہدہ میں آتی ہیں جن سے اہل رصدگاہ قاصر ہیں[۱]۔ اس کے علاوہ آٹھ نجباء بھی ہوتے ہیں یہ خدا تعالیٰ کی سات مشہور صفات اور ادراک کا علم رکھتے ہیں۔ نجباء کے بعد ایک حواری ہوتا ہے یہ جب انتقال کرتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ لیتا ہے۔ رسول اللہ کے زمانہ میں حضرت زبیر بن عوام اس منصب پر فائز تھے۔ حواری کے علاوہ رجال الغیب میں "الرجبیون" بھی شامل ہیں ان کی تعداد چالیس ہوتی ہے ان کو الرجبیون اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اس منصب پر صرف رجب کے مہینہ میں فائز رہتے ہیں ان میں سے ایک کے ساتھ میری ملاقات الدنیسیر میں ہوئی تھی۔ یہ لوگ دیار بکر، یمن اور شام میں سکونت پذیر ہوتے ہیں[۲]۔ سب سے آخر میں 'ختم' کا درجہ ہوتا ہے اس پر اولیائے امت محمدی کا خاتمہ ہوتا ہے 'ختم' کو قیامت میں دوبارہ اٹھایا جائے گا ایک بار امت محمدی کے ساتھ اور دوسری مرتبہ انبیاء کے ساتھ[۳]۔

ایک اور رائے کے مطابق رجال الغیب میں تین سو نقباء کے دل حضرت آدمؑ کے دل کی مانند ہوتے ہیں ان کو نقباء اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اس امت کے نقیب ہیں۔ ستر نجباء کے دل حضرت نوحؑ کے دل کی طرح ہوتے ہیں۔ ان کو نجباء اس لیے کہتے ہیں کہ وہ لوگوں میں برگزیدہ اور روشن دل ہیں۔ چالیس ابدال کے دل حضرت موسیٰ کے دل کی مانند ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا بدل ہونے کی بنا پر ان کو ابدال کہا جاتا ہے۔ رجال الغیب میں سے آٹھ ایسے ہوتے ہیں جن کے قلوب حضرت عیسیٰ کے دل کی طرح ہوتے ہیں (ان کا نام نہیں لیا گیا ہے) سات اخیار کے دل حضرت ابراہیم کے دل کی مانند ہوتے ہیں ان کو اخیار

---

[۱] فتوحات مکیہ ج ۲ ص ۷ [۲] فتوحات مکیہ ج ۲ ص ۸ [۳] فتوحات مکیہ ج ۲ ص ۹

اس لیے کہتے ہیں کہ وہ امت میں بہترین لوگ ہیں۔ پانچ عماد (عمود) کے دل حضرت جبرئیل کے دل سے مشابہت رکھتے ہیں یہ دنیا کے ستون ہیں اس لیے ان کو عماد کہا جاتا ہے ان کی حیثیت بھی دنیا کے لیے وہی ہے جو عمارت کے لیے ستون کی ہوتی ہے۔ تین اوتاد کے قلوب حضرت میکائیل کے دل کی طرح ہوتے ہیں ان کو اوتاد اس لیے کہتے ہیں کہ ان کی حیثیت دنیا کے لیے کھونٹے (میخ) کی ہے ایک کا دل حضرت اسرافیل کے دل کی طرح ہوتا ہے اسے غوث کہتے ہیں۔ جب اس کا انتقال ہوتا ہے تو اوتاد میں سے ایک کو اس کی جگہ مقرر کیا جاتا ہے اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے اور آخر میں نقباء کی کمی کو عام لوگوں میں کسی ایک آدمی سے پر کیا جاتا ہے[۵۱]۔ دنیا میں اگر کوئی حادثہ ہوتا ہے تو تین سو نقباء دعا کرتے ہیں اگر ان کی دعا قبول نہ ہوئی تو ستر نجباء دعا کرتے ہیں ان کی دعا مستجاب نہ ہونے کی صورت میں چالیس ابدال دعا کرتے ہیں اگر ان کی دعا بھی قبول نہ ہوئی تو آٹھ رجال الغیب دعا مانگتے ہیں اگر ان کی دعا بھی بیکار گئی تو سات اخیار دعا کرتے ہیں یہ بھی قبول نہ ہوئی تو پانچ عمود دعا مانگتے ہیں عدم قبولیت کی صورت میں دعا مانگنے کی نوبت تین اوتاد پر آتی ہے۔ اگر ان کی دعا بھی منظور نہ ہوئی تو غوث دعا مانگتا ہے۔ غوث دنیا کا فریادرس ہوتا ہے اس کی دعا کسی صورت میں رد نہیں ہوتی۔ نقباء مصر اور اس کے نواحی علاقوں میں، نجباء مغرب اور اس کے گردونواح میں اور ابدال سرزمین شام اور اس کے اردگرد علاقوں میں سکونت پذیر ہوتے ہیں۔ عمود زمین کے اطراف میں اور اوتاد متفرق ہو کر عام مسلمانوں میں کام کرتے ہیں۔ غوث مکہ میں قیام پذیر ہوتا ہے[۵۲]۔

غوث کا مکہ میں قیام پذیر ہونا بعض صوفیہ کے نزدیک درست نہیں ہے کیونکہ عبدالقادر جیلانی جو قطب یا غوث کے مقام پر فائز تھے بغداد میں سکونت رکھتے تھے[۵۳]۔

کشاف تھانوی کے بیان کے مطابق قطب کے بعد دو امام ہوتے ہیں جن کی حیثیت وزیروں کی ہوتی ہے ایک عالم الملک اور دوسرا عالم ملکوت کا ذمہ دار ہوتا ہے اس کے بعد تین یا چار اوتاد ہوتے ہیں جب قطب مر جاتا ہے تو ان میں سے ایک اس کی جگہ لیتا ہے۔ ابدال چالیس ہوتے ہیں بائیس شام میں اور اٹھارہ عراق میں۔ ابدال سے کم تر درجہ پر نجباء ہوتے ہیں جن کی تعداد ستر ہے ان کا مسکن مصر ہے اس کے بعد تین سو یا پانچ سو نقباء ہوتے ہیں[۵۴]۔

---

۵۱ کشف المحجوب ہامش ص ۲۶۲ ۵۲ کشف المحجوب ہامش ص ۲۶۲ ۵۳ شیخ علی تھانوی، کشاف اصطلاحات الفنون، المکتبۃ الاسلامیہ بیروت لبنان ج ۴ ص ۸۴۵

۵۴ جامع الاصول للاولیاء ص ۹۳ مطبوعہ مصر

سید فقیر محمد شاہ کے نزدیک اس طبقہ میں غوث، اوتاد، ابدال، نجباء، نقباء اور اخیار ہوتے ہیں[1] ان کے بیان کے مطابق دنیا میں صرف ایک غوث ہوتا ہے جس کے ماتحت سات ابدال ہوتے ہیں اوتاد کے تحت چالیس ابدال ہیں جن کی ماتحتی میں نجبا، نقباء اور اخیار کام کرتے ہیں اولیائے مستور کا یہ طبقہ تین سو ساٹھ افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ ان کے تابع ہے ان میں سب سے کمتر درجہ کا ولی بارہ میل کے دائرہ میں مختارِ کل ہوتا ہے یہاں تک کہ چڑیا کا انڈا بھی اس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہوتا۔ خدا کے عطا کردہ علم کی بنا پر اسے نمک کی وہ مقدار بھی معلوم ہوتی ہے جو عورت سالن پکانے میں استعمال کرتی ہے۔ رجال الغیب پر جب کام کا دباؤ بڑھ جاتا ہے تو ان کی تعداد بڑھا دی جاتی ہے لیکن مقررہ تعداد کسی صورت میں بھی گھٹ نہیں سکتی۔ اس طبقہ میں تمام فرقوں کے سالک اور مجذوب ہوتے ہیں[2]

جے اسپنسر ٹرمنگھام نے شیخ ہجویری کا بیان نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے تاہم ان کو اعتراف ہے کہ رجال الغیب کی اصطلاحات اور تعداد میں اختلاف ہے[3]۔ خواجہ خان نے بھی ہجویری کی رائے نقل کی ہے ان کا خیال ہے کہ رجال الغیب کا نظریہ LAMBLICHUS کے بیان کردہ اس روحانی سلسلہ سے مشابہت رکھتا ہے جو اس طرح ہے (۱) GODS (۲) DEMONS (۳) HEAVENS (۴) PRINCIPALITIES (۵) ANGELS (۶) SOULS[4] تاہم یہ بات قابل ذکر ہے کہ رجال الغیب سے جو لوگ تعلق رکھتے ہیں وہ انسان ہوتے ہیں غیر مرئی مخلوق نہیں۔

ماسینون (MASSIGNON) کے بقول رجال الغیب کی تعداد مقرر ہے ان میں جب کسی کا انتقال ہوتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ لیتا ہے اس تعداد میں تین سو نقباء، چالیس ابدال، سات امناء، چار عمود اور ان کا قطب شامل ہیں[5] سب سے زیادہ مسلمہ رائے کے مطابق گولڈ زیہر نے رجال الغیب کی درجہ بندی اس طرح کی ہے۔ (ا) ایک قطب (ب) دو امام (ج) پانچ اوتاد (د) سات افراد (ہ) ابدال (و) ستر النجباء (ز) تین سو النقباء (ح) پانچ سو العصائب (ط) الحکماء یا مفردون۔ ان کی تعداد لامحدود ہے (ی) الرجبیون تعداد نامعلوم[6]۔ رجال الغیب کے ان دس مدارج کا ذکر کرتے ہوئے گولڈ زیہر نے ابدال کی تعداد چالیس، سات

---

[1] AL-IRFAN (FAQIR NUR MOHD.) P.417 DERA ISMAEL KHA (PAK) 1958

[2] AL-IRFAN (FAQIR NUR MOHD.) P.417 — 420

[3] THE SUFI ORDERS IN ISLAM P. 164

[4] STUDIES IN TASAWWUF P. 129-130 MADRAS 1923

[5] دائرہ معارف اسلامیہ ج ۶ ص ۴۲۶ بذیل مادہ "تصوف" مطبوعہ لاہور پاکستان ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۲ء

[6] دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ ص ۲۳۴ بذیل مادہ "ابدال" مطبوعہ لاہور پاکستان ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء

اور تین سو بتائی ہے۔

ابو طالب مکی کی ایک روایت کے مطابق ابدال تین سو ہیں ان میں صدیقین، شہدار اور صلحار شامل ہیں[۵۱]
رجال الغیب کے نظریئہ کی اصل قرآن میں بھی تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سورہ یونس کی آیت " الا ان اولیاء اللّٰہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون سے سہل بن عبداللہ تستری (م ۲۷۳ھ) نے مردانِ غیب مراد لیے ہیں[۵۲] ان کا کہنا ہے کہ میں نے پندرہ سو صدیقین سے ملاقات کی جن میں چالیس ابدال اور سات اوتاد تھے ان کا مذہب بھی وہی تھا جو میرا ہے[۵۳]۔ ابو عبدالرحمٰن السلمی (م ۴۱۲ھ) نے سورہ رعد کی تیسری آیت " وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ کی تفسیر میں لکھا ہے" قال بعضھم ھو الذی بسط الارض وجعل فیھا اوتاد امن اولیائه وسادة من عبیدہ فالیھم الملجاء والیھم النجاة فمن ضرب فی الارض بقصدھم فاز ونجا ومن کان بغیة لغیرھم خاب وخسر[۵۴] ابو محمد روزبہان شیرازی (م ۶۰۶ھ) نے " الم نجعل الارض مھٰدا والجبال اوتادا" کی تفسیر میں وہی اوتاد مراد لیے ہیں جن کی وجہ سے دنیا قائم ہے[۵۵] ان کے بیان کے مطابق اوتاد حقیقت میں اولیار کے سردار اور اصفیار کے خواص ہیں۔ ابو سعید الخراز سے جب پوچھا گیا کہ اوتاد افضل ہیں یا ابدال تو انھوں نے جواب دیا کہ "اوتاد افضل ہیں" لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو کہا کہ ابدال کے مقامات بدلتے رہتے ہیں (جبکہ اوتاد کے ساتھ یہ معاملہ نہیں) ابن عطار کے بقول اوتاد اہل استقامت ہیں اور مقام تمکین میں ہیں[۵۶]۔

رجال الغیب کا نظریہ اس قدر مشہور ہو چکا ہے کہ بقول امام جلال الدین سیوطی تواتر کو پہنچ چکا ہے۔ تقریباً تمام صوفیہ نے ان کے متعلق اظہار خیال کیا ہے بلال الخواص کہتے ہیں کہ میری ملاقات بنی اسرائیل کے بالائی علاقے میں ایک شخص سے ہوئی میں نے اس کا نام پوچھا تو اس نے کہا "میں تمہارا بھائی خضر ہوں" میں نے آپ سے کہا میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں جب انھوں نے سوال کرنے کی اجازت دی تو میں نے پوچھا کہ شافعی کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے اس نے کہا وہ اوتاد میں سے ہیں میں نے پوچھا کہ احمد بن حنبل کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے اس نے کہا وہ صدیق ہیں میں نے بشر بن حارث الحافی کے متعلق ان کی رائے

---

۵۱ قوت القلوب ج ۲ ص ۷۸ ۵۲ تفسیر القرآن العظیم (تستری) ص ۴۹ دار الکتب العربیہ الکبریٰ مصر ۱۳۲۹ھ
۵۳ تفسیر القرآن العظیم ص ۴۶ ۵۴ التفسیر والمفسرون ج ۲ بذیل "حقائق التفسیر" کے تحت آیت مذکورہ الرعد: ۳ ۵۵ عرائس البیان (البقلی شیرازی) ج ۲ ص ۳۵۶ مطبع نولکشور لکھنو
۵۶ عرائس البیان ج ۲ ص ۳۵۶

دریافت کی تو کہا کہ وہ ایسا آدمی ہے جس کا ہمسر پیدا نہ ہوگا[1]۔ ابو عبداللہ محمد بن حفیف الشیرازی کا بیان ہے کہ میں ابدال سے ملاقات کرنے کے لیے برسوں خاک چھانتا رہا بالآخر مایوس ہو کر اصطخر (فارس) واپس آیا تو وہاں کی ایک خانقاہ میں میں نے مشائخ کی ایک جماعت دیکھی جو نو افراد پر مشتمل تھی ان کے سامنے کھانے کی کچھ چیزیں تھیں میں وضو کر کے ان کے پاس بیٹھ گیا ان میں حسن بن ابو سعد اور ابو الازہر بن حیان بھی موجود تھے میں ان کے ساتھ کھانا کھا کر الگ ہوا: میری آنکھ لگ گئی خواب میں رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے دیکھا " اے ابن حفیف تمہیں جن لوگوں کی تلاش تھی وہ یہی لوگ ہیں اور تم بھی انھیں لوگوں میں سے ہو، بیدار ہونے پر میں تذبذب میں پڑ گیا کہ لوگوں سے یہ خواب بیان کروں یا نہ کروں یہاں تک کہ میری ملاقات شیخ ابوالحسن بن ابوسعد سے ہوئی انھوں نے مجھ سے کہا " اے ابو عبداللہ ان لوگوں کو اس چیز کی خبر کر دو جو تم نے خواب میں دیکھی ہے۔ یہ خبر لوگوں میں مشہور ہو چکی تھی اس لیے یہ لوگ (ابدال) مختلف شہروں کی طرف نکل گئے[2]۔ اس سے اس رائے کو تقویت ملتی ہے کہ ابدال اپنے مرتبہ و منصب سے بے خبر ہوتے ہیں جیسا کہ بعض ارباب تصوف کا خیال ہے۔

رجال الغیب کے نظریہ کو فلسفیانہ رنگ دینے کی کوشش بھی کی گئی ہے جیسا کہ شیخ المقتول شہاب الدین سہروردی کی " حکمت الاشراق " سے ظاہر ہوتا ہے کہ قطب زماں کبھی " عقل کل " کی شکل اختیار کرتا ہے اور کبھی " نور محمدی " یا حقیقت محمدی کا مظہر بنتا ہے لیکن اس مسئلہ کو سب سے زیادہ پیچیدہ بنانے کا سہرا ابن عربی (م ۶۳۸ھ) کے سر جاتا ہے انھوں نے اس نظریہ کی توضیح و تشریح میں سینکڑوں صفحات صرف کئے لیکن وہ اس کے ابہام کو دور نہ کر سکے۔ غالباً وہ اسے مبہم ہی رہنے دینا چاہتے تھے۔ شیخ اکبر کے بعد جیلی نے قطب کے بارے میں یہ رائے پیش کی: انسان کامل وہ قطب ہے جس پر ازل سے ابد تک گردش افلاک کا دار و مدار ہے۔

ان الانسان الکامل ھو القطب	انسان کامل وہ قطب ہے جس پر اول سے آخر
الذی تدور علیہ الافلاک الوجود	تک وجود کے افلاک گردش کرتے ہیں اور وہ
عن اولہ الی اخرہ و ھو واحد	جب وجود کی ابتدا ہوئی اس وقت سے لے کر
منذ کان الوجود الی ابد الآبدین	ابدالآباد تک ایک ہے پھر اس کے لیے رنگارنگ
ثم لہ تنوع فی ملابس ویظہر	لباس ہیں اور وہ کنیسوں اور گرجوں میں ظاہر ہوتا
فی کنائس فیسمی باعتبار لباس	ہے اور باعتبار لباس کے اس کا ایک نام رکھا
ولا یسمی لباس اخر فاسمہ	جاتا ہے کہ دوسرے لباس کے اعتبار سے اس کا

---

[1] الرسالۃ القشیریہ ص ۱۳۰ مطبوعہ مصر ۱۳۰۴ھ / الکواکب الدریہ ج ۱ ص ۲۱۱ مطبوعہ مصر ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۸ء

[2] کرامات الاولیاء ج ۱ ص ۱۰۵ مطبوعہ مصر

الاصلی الذی ھو لہ محمد و	وہ نام نہیں رکھا جاتا، اس کا اصلی نام محمد
کنیتہ ابو القاسم و وصفہ عبد	ہے اور اس کی کنیت ابو القاسم اور اس کا وصف
اللہ ولقبہ شمس الدین ثم لہ	عبد اللہ، لقب شمس الدین ہے پھر باعتبار دوسرے
باعتبار ملابس اخری اسامی و	لباسوں کے اس کے نام ہیں پھر ہر زمانہ میں
لہ فی کل زمان اسم مایلیق بلباسہ	اس کا ایک نام ہے جو اس زمانہ کے لباس
فی ذالک الزمان"[1]	کے لائق ہوتا ہے۔

جیلی نے مندرجہ بالا عبارت کو سمجھانے کے لیے ذاتی نوعیت کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ میں نے زبید میں ۷۹۶ھ میں اپنے مرشد شیخ شرف الدین اسماعیل جبرتی کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا چونکہ میں نے رسول اللہ کا مشاہدہ اپنے شیخ کی صورت میں کیا اس لیے مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں[2]۔ اس واقعہ کی تائید میں انھوں نے ابوبکر شبلی کا ایک ایسا ہی واقعہ بیان کیا ہے وہ یہ کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شبلی کی صورت میں اس دنیا میں تشریف لائے۔ شبلی چونکہ صاحب کشف تھے اس لیے انھوں نے "اشھد انی رسول اللہ" کہا اور ان کے صاحب کشف مرید نے اشھد انک رسول اللہ" کہہ کر مرشد کے قول کی تصدیق کی[3]۔ "شبلی رسول اللہ" کے نعرہ کی صدائے بازگشت عالم تصوف کے در و دیوار سے بار بار سنائی دی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے ایک نو وارد کا امتحان لینے کی غرض سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے بجائے لا الٰہ الا اللہ چشتی رسول اللہ" پڑھوا کر اسے مطیع و فرمانبردار مرید کی حیثیت سے بیعت میں لیا[4]۔ مولانا اشرف علی تھانوی کے بقول گنگوہ کے صوفی "صادق گنگوہی نے بھی ایک طالب کے سامنے لا الٰہ الا اللہ صادق رسول اللہ کہا۔ مقصود یہ تھا کہ رسول اللہ صادق فی النبوۃ ہیں یکون الخبر مقدما والمبتدا موخرا[5]" مولانا تھانوی کے الفاظ میں ظاہر میں تو شبہ ہوتا تھا کہ یہ خود مدعی رسالت ہیں اگر طالب کم سمجھ ہوا تو بھاگ جاتا ہے اگر سمجھ دار ہوا تو اس کو احتمال امتحان کا ہوتا ہے اور وہ دوسرے اقوال و افعال کو بھی دیکھتا ہے۔ اگر علامات سے کمال ثابت ہوا تو ایسے امور کی اجمالاً یا تفصیلاً تاویل کر کے طلب میں ثابت رہتا ہے[6]۔ یہ عجیب بات ہے کہ زمان و مکان کے پیش نظر ان اقوال کی مختلف انداز میں تعبیر و تشریح کی گئی ہے۔

---

[1] الانسان الکامل ج ۲ ص ۴۶ مطبوعہ مصر ۱۳۱۶ھ [2] الانسان الکامل ج ۲ ص ۴۶ [3] الانسان الکامل ج ۲ ص ۴۶ مطبوعہ مصر ۱۳۱۶ھ [4] فوائد السالکین (ملفوظات قطب الدین بختیار کاکی مرتبہ خواجہ فرید گنج شکر) [5] التکشف عن مہمات التصوف ص ۳۷۷ مطبوعہ اللجنۃ العلمیۃ حیدرآباد [6] ایضاً

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی اولیا کو یہ یقین رہا ہے کہ وہ اپنے دور میں قطبیت کے مقام پر فائز تھے بعض اکابر صوفیہ کے بارے میں متعین طور پر کہا گیا کہ وہ غوث یا قطب ہیں مثلاً عبدالقادر جیلانی کو آج بھی غوث اعظم کہا جاتا ہے انھوں نے ایک اڑتے ہوئے ابدال کی قوتِ پرواز اس لیے سلب کی تھی کہ اس نے اپنے دو ساتھیوں کے برعکس عبدالقادر جیلانی کی خانقاہ کے اوپر سے پرواز کرنے کی جسارت کی تھی[۱] عمر ابن الفارض کہتے ہیں۔

فبی دارت الافلاک فاعجب لقطبہا الـ محیط والقطب مرکز نقطۃ

ولا قطب قبلی عن ثلاث خلفۃ وقطبۃ الاوتاد عن بدلیۃ[۲]

محی الدین ابن عربی کا بیان ہے کہ ۵۸۵ھ میں تمام انبیاء شہر قرطبہ میں جمع ہو گئے اور حضرت ہودؑ کی وساطت سے انھوں نے مجھے خوشخبری سنائی کہ قطبیت کے مقام پر فائز کیا جا رہا ہوں[۳] خواجہ بختیار کاکی کو بھی قطب کی حیثیت دے دی گئی۔ مجدد الف ثانی بھی دعوی کرتے ہیں کہ ان کو اقطاب کے مقام تک رسائی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قطب ارشاد کی خلعت عطا کی گئی[۴] شاہ ولی اللہ دہلوی صاحب نے بھی اپنے متعلق دعوی کیا ہے کہ وہ قطب ارشاد کے مقام پر فائز تھے[۵] یہی نہیں شاہ ولی اللہ صاحب کے بقول ان کو خواب میں بتایا گیا کہ قائم الزمان ہیں جس سے ان کی مراد یہ ہے کہ وہ خدا کے دست و بازو ہو گئے ہیں[۶] دیگر تمام کرامات کے علاوہ مردانِ غیب سے طے الارض کی کرامت بھی ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے ایک عید کی رات میں جنید بغدادی (م ۲۹۷ھ) کی خدمت میں چار مردانِ غیب حاضر تھے ایک مرد غیب سے حضرت جنید بغدادی نے پوچھا کہ کل کہاں نماز پڑھو گے؟ تو اس نے کہا مکہ مبارکہ میں۔ دوسرے سے پوچھا تو اس نے کہا مدینہ معظمہ میں تیسرے نے اسی سوال کے جواب میں کہا کہ میں بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا چوتھے سے یہی سوال کیا تو اس نے جواب دیا کہ آپ کے ساتھ (یہیں) بغداد میں نماز پڑھوں گا۔ یہ جواب سن کر جنید بغدادی نے ان سے کہا انت ازھدھم واسلمھم وافضلھم[۷]

خواجہ خان لکھتے ہیں کہ معتزلہ مردانِ غیب میں یقین نہیں رکھتے ہیں[۸] مگر معتزلہ ہی نہیں بہت سے

---

[۱] فوائد الفواد ص ۳۴ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء [۲] دیوان ابن الفارض (التائیۃ الکبری المساۃ بنظم السلوک) ص ۱۲۳ مطبوعہ قاہرہ مصر الطبعۃ الاولی ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء [۳] فصوص الحکم دیکھئے فص ہودیہ [۴] مبداء و معاد (از مجدد الف ثانی) ص ۲ مطبع مجددی امرتسر ۱۳۳۰ھ [۵] فیوض الحرمین ص ۶۵ (المشاہدہ الرابعۃ والثلثون) مطبوعہ دہلی ۱۳۰۸ھ [۶] فیوض الحرمین ص ۸۴ (المشاہدۃ الرابع والاربعون) [۷] فوائد الفواد ص ۲

[۸] STUDIES IN TASAWWUF P 129-130

راسخ العقیدہ علماء نے بھی اس نظریہ کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے چنانچہ اس نظریہ کے مخالفین کو بار بار وعید سنائی گئی عبدالقادر جیلانی اس ضعیف الیقین شخص کو دنیا و آخرت کے خسارے کی وعید سناتے ہیں جو ابدال کے تئیں بے ادبی کا ارتکاب کرتا ہے[1]۔ مجدد الف ثانی بھی قطب ارشاد کے منکر کو رشد و ہدایت سے محروم بتاتے ہیں چاہے وہ ذکر الٰہی میں کتنا ہی مشغول کیوں نہ ہو کیونکہ اس کا انکار ہی اس کی فیضیابی میں سدراہ بنتا ہے[2]۔ نیز جو گروہ قطب ارشاد کے ساتھ اخلاص و محبت رکھتا ہے خواہ وہ توجہ اور ذکر الٰہی سے خالی ہی کیوں نہ ہو محض ان کی محبت کی بنا پر ہدایت یاب ہوگا[3]۔ تاہم اس نظریہ کے مخالفین کی 'ضعیف الاعتقادی' ان وعیدوں سے کچھ بھی متاثر نہ ہوئی۔

اس سلسلہ میں سخت حیرت اس وقت ہوتی ہے جب کہ وہ لوگ بھی تصوف کی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں جو اہلِ باطن کی نگاہوں میں **علماء ظاہر کی** حیثیت رکھتے ہیں۔ مثلاً رجال الغیب کی پوری عمارت 'ابدال' کے تصور پر کھڑی ہے۔ امام احمد بن **حنبل کا** بیان ہے کہ اگر اصحاب حدیث ابدال نہ ہوں گے تو اور کون ہوں گے۔ یزید بن ہارون کا قول ہے علم والے ہی ابدال ہیں۔

جہاں تک قرآن کا تعلق ہے ان میں رجال الغیب کا ذکر نہیں ملتا نیز قرآن میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے جسے تفسیر و تاویل کے ذریعہ ہی سہی رجال الغیب کے نظریہ کے لیے بنیاد بنایا جا سکے۔ اسی طرح حدیث کی معروف و متداول کتابوں یعنی صحاح ستہ میں بھی کوئی ایسی حدیث موجود نہیں ہے۔ جسے مردانِ غیب کے تصور کی اساس بنایا جا سکے۔ البتہ حدیث و سیرت کی بعض دوسری کتابوں میں ابدال سے متعلق بعض روایات ملتی ہیں۔ ایک روایت میں ہے۔

لن تخلو الارض من اربعین	زمین چالیس آدمیوں سے کبھی خالی نہیں رہتی۔
رجلا مثل خلیل الرحمٰن	یہ چالیس آدمی حضرت خلیل کے مانند ہیں انھیں
علیہ السلام فبھم یسقون وبھم	سے مخلوق خدا سیراب ہوتی ہے اور دشمنوں پر غلبہ
ینصرون ما مات منھم احد	حاصل ہوتا ہے ان میں جب کوئی مرجاتا ہے تو
حتی ابدل اللہ مکانہ آخر[4]	اللہ تعالیٰ کسی دوسرے کو اس کا قائم مقام بناتا ہے۔

دوسری روایت ہے:۔

لا یزال اربعون رجلا من امتی	میری امت میں حضرت خلیل کے مانند ہمیشہ

[1] الفتح الربانی (مجلس ۱۵) ص ۱۲۵ مصر ۱۳۰۲ھ [2] مبداء و معاد ص ۸ [3] مبداء و معاد ص ۸
[4] حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۸ دار الکتاب بیروت ۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء

قلوبهم علی قلب ابراهیم یدفع	چالیس آدمی موجود رہیں گے۔ ان کے توسط سے
الله بهم عن الارض یقال لهم	اہلِ زمین سے بلائیں ٹل جاتی ہیں ان کو ابدال کہتے
الابدال انهم لم یدرکوها بصلوٰة	ہیں۔ انھوں نے یہ مقام نماز روزے اور زکوٰۃ کی
ولا بصوم ولا بصدقة قالوا	وجہ سے نہیں پایا بلکہ سخاوت اور مسلمانوں کی خیر
فبم ادرکوها یا رسول الله قال	خواہی کی وجہ سے پایا ہے۔
بالسخاء والنصیحة للمسلمین[1]	

اس کے علاوہ بھی دوسری احادیث ہیں جن کو اختصار کے پیش نظر یہاں قلم انداز کیا جاتا ہے مگر علماء رجال نے ابدال سے متعلق دو حدیثوں کو چھوڑ کر جو مسند امام احمد بن حنبل میں آئی ہیں باقی تمام حدیثوں کو باطل یا موضوع کہا ہے، حافظ سخاوی نے ابدال کے متعلق تمام حدیثوں کو جمع کیا ہے لیکن ابتدا ہی میں کہا ہے" الابدال له طرق عن انس رضی الله عنه مرفوعاً بالفاظ مختلفة کلها ضعیفة"[2] (ابدال سے متعلق احادیث حضرت انس سے مرفوعاً کئی سندوں سے مروی ہیں جو سب کی سب ضعیف ہیں) ملا علی قاری موضوع حدیثوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں" ومن ذالك احادیث الابدال والاقطاب والاغواث، والنجباء والنقباء کلها باطلة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم"[3] (یعنی ابدال، اقطاب، اغواث، نجباء اور نقباء کے متعلق جتنی احادیث مروی ہیں سب باطل ہیں) امام ابن تیمیہ کہتے ہیں" کل حدیث یروی عن النبی صلی الله علیه وسلم فی عدة الاولیا، والابدال، والنقباء، والنجباء، والاوتاد والاقطاب، مثل اربعة، اوسبعة، او اثنی عشرا واربعین اوثلاثمائة وثلاثة عشرا والقطب الواحد فلیس فی ذالك شئ صحیح عن النبی صلی الله علیه وسلم ولم ینطق السلف لبشئ من هذه الالفاظ الابلفظ الابدال"[4] (یعنی ہر وہ حدیث جو اولیاء، ابدال، نقباء، نجباء، اوتاد، اقطاب کی تعداد مثلاً چار، سات، بارہ، چالیس، ستر، تین سو تیرہ یا قطب واحد کے متعلق رسول اللہ سے مروی ہے صحیح نہیں ہے۔ سلف نے ان الفاظ میں کوئی لفظ نہیں استعمال کیا ہے سوائے لفظ ابدال کے) ابن قیم موضوعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں" ومن ذالك: احادیث الابدال والاقطاب والاغواث والنقباء والنجباء والاوتاد کلها باطلة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم واقرب ما فیها: لا تسبوا اهل الشام فان فیهم البدلاء، کلما مات رجل منهم ابدل الله

---

[1] ابدال پر حدیثوں کے لیے دیکھئے۔ المقاصد الحسنہ ص۸ وما بعد بیروت ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء واللآلی المصنوعہ ص۵۱۲ تا ۵۱۳ لکھنؤ ۱۳۰۳ھ [2] المقاصد الحسنہ ص۸ [3] الموضاعات الکبیر ص۱۱۰ الرفیع المجتبائی دہلی ۱۳۱۵ھ [4] الفرقان ص۳۱-۳۲

مکانہ اخر ذکرہ احمد، ولا یصح ایضاً فانہ منقطع[1] (موضوعات میں ابدال، واقطاب واغواث النقباء النجباء اور اوتاد کے متعلق تمام حدیثیں باطل ہیں اور ان میں رسول اللہ کی حدیث کہ "اہل شام کو گالیاں مت دو ان میں بدلاء (ابدال) ہوتے ہیں جب ان میں سے کوئی مرجاتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ لیتا ہے" اس حدیث کی امام احمد بن حنبل نے (اپنی مسند میں) روایت کی ہے مگر یہ بھی صحیح نہیں ہے بلکہ منقطع الاسناد ہے) مسند امام احمد بن حنبل کی جس حدیث کا اوپر ذکر آیا ہے وہ یہ ہے "عن شریح بن عبید قال ذکر اهل الشام عند علی بن ابی طالب وهو بالعراق فقالوا العنهم یا امیر المؤمنین قال لا انی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول الابدال یکونون بالشام وهم اربعون رجلاً کلما مات رجل ابدل الله مکانه رجلا یسقی بهم الغیث وینتصر بهم علی الاعداء ویصرف عن اهل الشام بهم العذاب"[2] یہ حدیث شریح بن عبید سے ہی ان الفاظ میں بھی منقول ہے "لا تسبوا اهل الشام فان فیهم. البدلاء کلما مات رجل منهم ابدل الله مکانه رجلا آخر" حافظ سخاوی نے ابدال سے متعلق تمام احادیث میں اسے "اجود" کہا ہے[3]۔ صوفیہ کے نزدیک اس حدیث سے براہ راست رجال الغیب کے تصور کی تائید ہوتی ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں "ملفوظات ومکتوبات صوفیہ میں ابدال واقطاب واوتاد وغوث وغیرہم الفاظ اور ان کے مدلولات کے صفات وبرکات وتصرفات پائے جاتے ہیں حدیث میں جب ایک قسم کا اثبات ہے تو دوسرے اقسام بھی مستبعد نہ رہے ایک نظیر سے دوسری نظیر کی تائید ہونا امر مسلم ومعلوم ہے برکات تو اس حدیث میں منصوص ہیں اور تصرفات کو نیبہ قرآن مجید میں حضرت خضر کے قصہ سے ثابت ہیں[4]"۔

اس حدیث کو کسی امام نے موضوع نہیں کہا ہے غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل جیسے یگانہ روزگار محدث وامام نے اسے اپنی مسند میں نقل کیا ہے۔ مسند کے بارے میں امام صاحب کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے سات لاکھ سے زائد احادیث میں سے اس مجموعہ کو منتخب کیا ہے۔ یہ حدیث کا سب سے بڑا مجموعہ ہے اگرچہ دیگر مسانید سے صحیح تر ہے تاہم علماء نے اس کی کچھ روایتوں پر نقد بھی کیا ہے جن میں زیر بحث روایت بھی ہے حافظ عراقی اور ابن جوزی نے مسند کی ۳۸ روایات کو موضوع کہا ہے۔ علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ مسند میں کوئی حدیث موضوع نہیں ہے مگر زیر بحث حدیث کو انھوں نے "منقطع الاسناد" کہا ہے[5]۔ ملا علی قاری نے بھی اسے منقطع کہا ہے[6]۔ مسند کے شارح شیخ احمد شاکر نے بھی اسے منقطع کہا ہے کیونکہ شریح بن عبید حضرمی نے حضرت علی کا زمانہ

---

[1] المنار المنیف ص۱۳۶ طبع دوم المکتب المطبوعات الاسلامیہ ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء [2] مسند امام احمد بن حنبل ج ا ص۱۱۲ مطبوعہ مصر ۱۳۰۶ھ [3] المقاصد الحسنہ ص۸-۹ [4] التکشف عن مہمات التصوف ص۲۲۳-۲۲۴
[5] الفرقان بین اولیاء الرحمٰن واولیاء الشیطان ص۳۳ (تحقیق محمود عبد الوہاب) مطبوعہ مصر [6] الموضوعات الکبیر ص۱۱۰

نہیں پایا بلکہ سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابہ سے بھی ان کی ملاقات ثابت نہیں ہے[1]۔

امام ابن تیمیہ نے درایتاً اس حدیث کو رد کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ شام رسول اللہ کے دور میں فتح بھی نہ ہوا تھا پھر یہ کہ حضرت علی اور ان کے ساتھی حضرت معاویہ اور ان کے ساتھیوں سے افضل تھے پس افضل الناس حضرت علی کو چھوڑ کر حضرت معاویہ کے لشکر میں نہیں ہو سکتے تھے انھوں نے صحیحین کی اس روایت "تمرق مارقة من الدین علی حین فرقة من المسلمین یقتلهم اولی الطائفتین بالحق" کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے وهؤلاء المارقون هم الخوارج الحرورية الذین مرقوا لما حصلت الفرقة بین المسلمین فی خلافة علی' فقتلهم علی بن ابی طالب واصحابه فدل هذا الحدیث الصحیح ان علی بن ابی طالب اولی بالحق من معاویة واصحابه وکیف یکون الابدال فی ادنی العسکرین دون اعلاهما[2]

ان دلائل کی روشنی میں اس حدیث کی صحت مشکوک ہو جاتی ہے۔

درایتہً اس روایت کے موضوع ہونے کے درج ذیل اسباب ہیں

(۱) اگر حضرت علی اس بات سے واقف تھے کہ رسول اللہ نے اہلِ شام پر لعنت کرنے سے منع کیا ہے تو ان کے خلاف تلوار کیوں اٹھائی (حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان جنگ محتاج بیان نہیں ۔)

(۲) حضرت عبداللہ بن زبیر نے اہلِ شام کے ساتھ جنگ کی۔

(۳) تمام بڑے بڑے صحابہ اہلِ شام سے ناراض تھے اگر یہ حدیث صحیح ہے تو ان کی ناراضگی کے کیا معنی؟ حضرت عبداللہ بن زبیر کی شہادت پر جب اہلِ شام نے نعرہ تکبیر بلند کیا تو حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا "انظروا هؤلاء ولقد کبر المسلمون فرحًا بولادته وهؤلاء یکبرون فرحًا بقتله[3] (ان لوگوں کو دیکھو مسلمانوں نے (عبداللہ بن زبیر) کی ولادت پر نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا تھا اور یہ لوگ ہیں کہ ان کے قتل پر خوش ہو کر نعرہ تکبیر بلند کرتے ہیں) دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں " اما والله الذی کبروا عند مولده خیر من هؤلاء الذین کبروا عند قتله"

(۴) حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شام والوں کو ابدال کی وجہ سے دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی ہے، آسمان سے بارش ہوتی ہے اور ان پر سے عذاب ہٹایا جاتا ہے۔ غور کیجئے یہ الفاظ حضرت علی بیان کر رہے ہیں جو اہلِ شام کے مخالف تھے جب ان کو معلوم تھا کہ ابدال کی وجہ سے اہلِ شام کو دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی ہے تو انھوں نے اہلِ شام سے دشمنی کیوں مول لی اور ان کے خلاف جنگ کیوں کی اس صورت میں تو ان کی شکست یقینی تھی۔ شام کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اہلِ شام کو دشمنوں کے مقابلہ میں بار بار شکست ملی پورا ملک آفاتِ سماوی کا متعدد بار اسی طرح شکار ہوا ہے جس طرح دنیا کے

---

[1] الفرقان حاشیہ ص ۳۲ / المنار المنیف حاشیہ از عبدالفتاح ابوغدہ بر صفحہ ص ۱۳۶ — ۱۳۷ [2] الفرقان بحوالہ الفتاوی ۱۱/۴۶-۱۴۷ (طبع جدید)

[3] الکامل فی التاریخ ج ۴ ص ۲۵ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء

باقی علاقے ہوئے۔ اگر ابدال کی شفاعت کو شام کے حدود سے نکال کر تمام مسلمانوں کے لیے عام کیا جائے تو بات اور زیادہ مضحکہ خیز بنتی ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی، حنین کا معاملہ اس سے کچھ مختلف نہیں ہے۔ پچھلی کئی صدیوں سے ہم زوال و پستی میں گھرے ہوئے ہیں اب تک ابدال کی سفارش کام نہ آئی۔ تاریخ کے طویل دور میں ہم موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہے۔ حادثہ بغداد، سقوط اندلس نیز زوال وادبار کے دوسرے واقعات نے اس کی تصدیق کی ہے یہ حدیث غلط ہے۔ پچھلے کئی برسوں میں جولان کی پہاڑیوں پر اسرائیل کی بمباری اس وہم سے نجات دلانے کے لیے کافی ہے کہ شام میں ابدال موجود ہیں۔

حضرت حسن بصری بھی (۱۱۰ھ) جو ارباب باطن کے نزدیک علم باطن میں حضرت علی کے شاگرد ہیں اہل شام سے ناراض تھے۔ انھوں نے اہلِ شام کی انتہائی سخت الفاظ میں مذمت کی۔ جب بنو امیہ کے خلاف یزید بن مہلب نے بغاوت کی تو پورا بصرہ یزید کے استقبال کی تیاریاں کرنے لگا مگر حضرت حسن بصری نے یزید ابن مہلب کے معائب بیان کئے اور لوگوں کو اس کا ساتھ دینے سے منع کیا۔ اس پر لوگوں نے ان سے کہا" لکانك راض عن اهل الشام" (گویا آپ اہلِ شام سے خوش ہیں) یہ سن کر حضرت حسن بصری نے کہا" انا راض عن اهل الشام قبحهم الله وبرحهم الیس هم الذین احلوا حرم رسول الله صلی الله علیه وسلم یقتلون اهله ثلاثا قد اباحوالانباطهم واقباطهم یحملون الحرائر ذوات الدین الذین لا ینتهون عن انتهاك حرمة ثم خرجوا الی مال بیت الله الحرام فهدموا الکعبة واوقدوا النیران بین احجارها واستارها علیهم لعنة الله وسوء الدار"[۱] یہاں فن حدیث کے اس اصول کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ جو حدیث بھی عقل اور مسلمہ اصول کے خلاف ہوگی وہ موضوع سمجھی جائے گی اس سے قطع نظر کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا نہیں ان پر کوئی جرح ہے یا نہیں علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں کل حدیث رائیته یخالف العقول ویناقض الاصول فاعلم انه موضوع فلا تتکلف اعتباره ای لا تعتبر رواته ولا تنظر فی جرحهم[۲]۔

رجال الغیب پر یہ گفتگو نامکمل رہے گی جب تک کہ اس سلسلے کی اہم ترین کڑی حضرت 'خضر' پر گفتگو نہ کی جائے، جنھیں حضرات صوفیاء کے ہاں 'رجال غیب' کا سرخیل یہاں تک کہ 'رئیس الابدال'

۱؎ الکامل فی التاریخ ج ۴ ص ۱۷۱ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء

۲؎ فتح المغیث ص ۱۱۴ مطبع انوار محمدی لکھنؤ۔

کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔[1] ارباب باطن کے مطابق حضرت خضر وہ ولی یا پیغمبر ہیں جو علم لدنی کے حامل ہیں۔ یعنی کہ انھیں بارگاہ ایزدی سے وہ علم عطا کیا گیا ہے جس سے دنیا کے دوسرے تمام انسان محروم ہیں۔ ابونصر سراج طوسی لکھتے ہیں: العلم اللدنی هو العلم الذی خص به الخضر علیه السلام قال الله تعالی وعلمناه من لدنا علماً۔[2] ان کا کام بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھانا ہے۔ یہ کام وہ عوام کی نگاہوں سے دور رہ کر انجام دیتے ہیں۔ عبدالوہاب شعرانی کے بقول خضر مشائخ سے حالتِ بیداری میں ملاقات کرتے ہیں اور مریدوں کو خواب میں آکر آداب کی تعلیم دیتے ہیں کیونکہ وہ لوگ حالت بیداری میں خضر کے دیدار کی تاب نہیں لا سکتے۔[3] خضر سے ملاقات کرنے کی شرط یہ ہے کہ صوفی کل کے لیے کوئی چیز اپنے پاس موجود نہ رکھے اس صورت میں ولی ہوتے ہوئے بھی خضر سے ملاقات ناممکن ہے جیسا کہ ابوعبداللہ البسری کے ساتھ معاملہ پیش آیا۔ خضر کی ان سے حالتِ بیداری میں طویل ملاقاتیں ہوتی تھیں اس کے بعد اچانک وہ خواب میں دکھائی دینے لگے جب ابوعبداللہ نے اس تبدیلی کی وجہ پوچھی تو خضر نے جواب دیا کہ ہم کسی ایسے آدمی کا ساتھ نہیں دیتے جو کل کے لیے اپنے پاس کوئی چیز اٹھا رکھے آپ نے فلاں وقت اپنی بیوی کو درہم دے کر کہا تھا کہ کل تک ان کو موجود رکھو؛ ابوعبداللہ نے کہا ہاں یہ صحیح ہے۔[4]

خضر کے اسرائیلی ہونے پر ایک روایت یہ پیش کی جاتی ہے کہ عبدالقادر جیلانیؒ ایک دن منبر پر علوم و معارف بیان کر رہے تھے کہ خضر وہاں سے گزرے ان کو دیکھ کر شیخ جیلانی نے کہا "ایها الاسرائیلی تعال اسمع کلام المحمدی" اے اسرائیلی آؤ اور ایک محمدی کا کلام سن لو۔[5] ارباب باطن میں بہت سے شیوخ ایسے گزرے ہیں جن کو خضر نے اوراد و ظائف کی تعلیم دی۔ ابراہیم التیمی کو خضر نے مسبعات عشر کی تعلیم دی اور کہا کہ رسول اللہ نے مجھے اس کی تعلیم دی ہے۔[6] ابراہیم بن ادہم کو خضر نے اسم اعظم سکھایا اور کچھ نصیحتیں بھی کیں۔[7] ابوبکر ہلالی کے دل میں تمنا تھی کہ وہ خضر سے ملاقات کریں ایک مدت بعد خضر نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا تو ابوبکر نے کہا "کون"؟ خضر نے جواب دیا "وہی جس کی آپ تمنا کرتے تھے" ابوبکر نے کہا ہم جس کی خاطر

۱؎ احیاء علوم الدین، ۱/۳۰۵- دارالکتب الکبری، مصر ۲؎ اللمع فی التصوف/ ۱۲۹ - مطبوعہ لیڈن ۱۹۱۴ء

۳؎ عبدالوہاب شعرانی، تنبیہ المغترین مصر ۱۳۲۴ھ ص ۵۲ ۴؎ ایضاً ص ۵۲

۵؎ مجدد الف ثانی، المنتخب من المکتوبات، استنبول ترکی ۱۹۷۸ء ص ۱۵۱

۶؎ ابوحامد محمد بن محمد الغزالی، احیاء علوم الدین، دارالکتب العربیہ المصری مصر ج ۱ ص ۳۰۵

۷؎ شیخ عبدالرؤف المناوی، الکواکب الدریہ مطبوعہ مصر ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء ج ۱ ص ۷۴

تمہیں تلاش کرتے تھے اسے پالیا لہٰذا چلے جاؤ والسلام[1] خضر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے پاس ایک چادر اور ایک ازار ہے جو کبھی پرانے نہیں ہوتے[2] محی الدین ابن عربی کے بقول چار پیغمبر زندہ ہیں جس میں ادریسؑ وعیسیٰؑ آسمان پر اور الیاسؑ وخضر زمین پر[3] خضر کی حیات جاوداں کا مسئلہ مسلمانوں میں شروع ہی سے موضوعِ بحث بنا رہا ہے۔ ابراہیم حربی سے جب خضر کی حیات کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ محض شیطان ہے جس نے لوگوں کے درمیان یہ بات پھیلا رکھی ہے۔" من احال علی غائب لم ینتصف منه وما القی هذا بین الناس الا الشیطان[4] ——— امام بخاریؒ سے جب سوال کیا گیا، کیا خضر والیاس زندہ ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا" ایسا کیسے ممکن ہے جب کہ رسول اللہ کا ارشاد ہے کہ صدی کے خاتمہ پر ان لوگوں میں کوئی باقی نہیں رہے گا جو اس وقت زندہ ہیں[5]

ابن قیم کے بقول کئی ائمہ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے جواب میں کہا" وماجعلنا لبشر من قبلك الخلد، افان مت فهم الخالدون ابن تیمیہ سے جب پوچھا گیا تو انھوں نے کہا" خضر زندہ ہوتے تو ان کے لیے لازم تھا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان کی سرپرستی میں جہاد کرتے اور ان سے علم سیکھتے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن دعا میں یہ بھی کہا کہ" اے اللہ اگر یہ گروہ آج ہلاک ہوگیا تو روئے زمین پر قیامت تک کوئی تیرا نام لیوا نہ ہوگا" یہ گروہ تین سو تیرہ انسانوں پر مشتمل تھا جن کا نام ونسب اچھی طرح معلوم ہے خضر اس وقت کہاں تھے؟[6] ابن جوزی کے بقول خضر کے زندہ نہ ہونے پر چار چیزیں دلالت کرتی ہیں (ا) قرآن (ب) سنت (ج) اجماع محققین (د) عقل۔ انھوں نے قرآن کی مندرجہ بالا آیت وماجعلنا لبشر من قبلك... الخ اور حدیث ما من نفس منفوسة یاتی علیها مئة سنة وهی یومئذ حیة" (صدی کے خاتمہ تک ان لوگوں میں کوئی باقی نہیں رہے گا جو اس وقت زندہ ہیں۔) سے استدلال کیا ہے انھوں نے لکھا ہے کہ امام بخاری، علی بن موسیٰ رضا، ابراہیم بن اسحاق حربی ابوالحسین بن مناوی اور قاضی ابویعلی وغیرہم نے حیاتِ خضر سے انکار کیا ہے اس کے علاوہ انھوں نے دس عقلی دلیلوں سے اس نظریئے کو رد کیا ہے[7] علامہ ابن حزم نے تصورِ حیات خضر کو اسرائیلی افکار کے اثرات کا نتیجہ بتایا ہے[8] محدثین نے حضرت خضر کے متعلق

---

[1] الکواکب الدریہ ج ا ص۲۰۴ [2] الکواکب الدریہ ج ا ص۲۳۹

[3] عبدالوہاب شعرانی، الیواقیت والجواہر مصر ۱۲۷۷ھ ج ۲ ص۱۰۰ نیز دیکھئے فتوحات مکیہ باب ۷۳

[4] المنار المنیف ص۶۷ [5] المنار المنیف ص۶۸ [6] المنار المنیف ص۶۸

[7] المنار المنیف ص۶۸ [8] المنار المنیف ص۶۹ تا ۷۶

تمام احادیث کو رد کیا ہے۔ حافظ عراقی غزالی کی بیان کردہ مسبعات عشر والی روایت کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ بے بنیاد ہے نیز خضر کی رسول اللہ کے ساتھ ملاقات یا عدم ملاقات یا حیات و موت کے متعلق کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے[۵۱]۔ ابن قیم کا کہنا ہے کہ خضر کی حیات کے متعلق بیان کی جانے والی تمام احادیث جھوٹی ہیں اس سے متعلق ایک حدیث بھی صحیح نہیں ہے[۵۲]۔ مجدالدین شیرازی لکھتے ہیں "خضر و الیاس کی طویل العمری کے متعلق کوئی حدیث صحیح نہیں ہے[۵۳]۔ ملا علی قاری موضوعات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں "منہا الاحادیث التی یذکر فیہا الخضر و حیاتہ کلہا کذب ولا یصح فی حیاتہ حدیث واحد[۵۴]

جیسا کہ آپ نے دیکھا رجال الغیب کے دیگر افراد کی طرح حضرت خضر کے سلسلے میں بھی قرآن وسنت سے کوئی قابل اعتماد دلیل نہیں ملتی جس سے پتہ چلتا ہے کہ رجال الغیب کا نظریہ اسلامی فکر کا نتیجہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء امت کی عظیم اکثریت نے اسے مسترد قرار دیا ہے۔ مورخین میں علامہ ابن خلدون کی رائے ہے کہ یہ نظریہ صوفیہ نے شیعہ سے لیا ہے۔ ان کے بقول متاخرین صوفیہ چونکہ اسماعیلیوں سے بہت ربط ضبط رکھتے تھے اسماعیلی حلول اور الوہیت ائمہ کے قائل تھے اس لیے ابن عربی، ابن سبعین اور ان کے دونوں شاگرد ابن العفیف، ابن الفارض اور النجم اسرائیلی بھی ان کے ہمنوا ہو گئے۔ چنانچہ صوفیہ کے کلام میں قطب کا لفظ استعمال ہونے لگا جو عارف کامل کی ترجمانی کرتا ہے ان کا خیال ہے کہ معرفت میں کوئی شخص قطب کے درجہ کے برابر نہیں ہو سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ اسے موت نہ دے ...... پھر اس کے بعد ابدال کی ترتیب بیان کرنے لگے جیسے کہ شیعہ کے نقباء ہوتے ہیں[۵۵]۔ مصر کے نامور ادیب و مورخ احمد امین نے قطب اور دیگر رجال الغیب کو شیعہ کے مہدی منتظر کے تصور سے ماخوذ بتایا ہے[۵۶]۔ مردان غیب کے تصور کو شیعہ کے مہدی، نجباء و نقباء سے ماخوذ قرار دینا درست بھی لگتا ہے۔ مراۃ الاسرار کے مصنف کے بقول نقباء تین سو ہیں ان کے نام علی ہوتے ہیں۔ نجباء ستر ہوتے ہیں سب کے نام حسن ہوتے ہیں اخیار سات ہیں ان کے نام حسین ہوتے ہیں عمود چار ہیں سب کا نام محمد ہوتا ہے۔ غوث ایک ہے اس کا نام عبداللہ ہوتا ہے[۵۷]۔ ان اسماء پر غور کرنے سے ان علماء کی رائے درست نظر آتی ہے جو تصور رجال الغیب کو شیعی اثرات کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ (ختم شد)

---

۵۱ زین الدین عراقی، المغنی معہ احیاء ج ۱ ص ۳۰۵ ۵۲ المنار المنیف ص ۶۷

۵۳ مجدالدین شیرازی، سفر السعادۃ علی ہامش کشف الغمہ مصر سنہ ۱۲۷۰ ج ۲ ص ۲۳۵

۵۴ ملا علی قاری، الموضوعات الکبیر ص ۹۶-۹۷ ۵۵ مقدمہ ج ۱ ص ۴۷۳ بیروت سنہ ۱۹۰۰ء

۵۶ ضحی الاسلام ج ۳ ص ۲۲۵ طبع دوم قاہرہ سنہ ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء ۵۷ کشاف اصطلاحات الفنون ج ۴ ص ۸۲۵ المکتبۃ الاسلامیہ بیروت لبنان۔